اسلام میں سلطانی ادب کے ابتدائی تشکیل کنندگان کی خدمات کا جائزہ

ڈاکٹر میاں رفیع اللہ*   میاں اسعد اللہ**

Abstract

Contributions of the Originators of State Law Literature in Islam

Soon after his arrival in Medina, the Prophet Muhammad (SAW) established the 1st Islamic state initiated by various *Qur'┐ nic* verses. The prophet (SAW) himself and his immediate successors undertook the newly born state in light of the *Qur'┐ nic* injunctions. In the beginning of Islamic history, imminent scholars prepared preliminary literature which was developed and termed *al-Ahk┐ m al-Sult┐ niyah* (state law literature) by the experts of the said discipline. The article describes the contributions, major themes of the books originated by the early scholars in this field.

Keywords: State Law Literature; *al-Ahk┐ m al-Sult┐ niyah*; Islam, *Qur'┐ n*, *Sunnah*.

آسمانی اورانسانی فکر کی اساس پر تشکیل پانے والی مذاہب انسانی سماج کی اصلاح کو فروغ دینے کا علمبردار ہوتے ہیں۔ تاہم آسمانی مذاہب انسانی سماج کی اصلاح کے عمل اور اس کے نتائج کو ایک غیر مرئی اور مافوق الفطرت قوت کے ساتھ جوڑتے ہیں اور اس ضمن میں وہیں سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اس حوالے سے مذہبی اصلاح میں خدائی والٰہی اصول وضوابط کی پیروی کرنے کا مفہوم شامل ہوتا ہے۔ تاکہ سماجی اصلاح کے لئے جس قوت کی ضرورت ہو اس قوت کے حجم اور اس کے استعمال کو اعتدال کے منہج پر رکھا جائے اور سماجی اصلاح میں کوئی ایسی تعدی، تجاوز اور عدم اعتدال سامنے نہ آئے کہ وہ کم ضرر کو مٹانے کے لئے زیادہ ضرر کو بھگتانے یا برداشت کرنے کا موجب بنے۔

دنیا کے تمام مذاہب میں اصولی مصادر کے علاوہ کچھ ایسی کتابیں بھی موجود ہوتی ہیں جو اصولی مصادر کی روشنی میں کسی ایسے ادب کو تخلیق کرتی ہیں جس کا تعلق سماج کی نگرانی، سماج میں مذہبی اقدار کے نفاذ اور متعدد قسم کے ایجابی وسلبی احکام سے متعلق ہوتا ہے مثلاً ہندومت کی مقدس کتاب "ویدا" جو پندرہ سو قبل مسیح کی درمیانی مدت میں لکھی گئی۔ وہ ان سماجی، ریاستی اور سلطانی احکام اور ضوابط اخلاق کا پیش خیمہ بنی جو ۱۰۰ اسال میں منودہرم شاستر کی شکل میں تخلیق کی گئی۔[1]

منودہرم شاستر کے مقدمہ میں بھی اس بات کو مانا گیا ہے کہ وید، سمرتی، سدھاچار یعنی نیک لوگوں کی طرزِ زندگی یا رواج اور آتمستی (یعنی مطمئن ضمیر) قانون سے متعلق ادب کے سرچشمے ہیں۔ تاہم وید دھرم یعنی قانون کا اساسی سرچشمہ ہے۔[2]

اسی طرح سیاسی امور پر مبنی کوتلیہ چانکیا آچاریہ کی کتاب "ارتھ شاستر" -جو ۳۱۱ اور ۳۰۰ ق۔م کے درمیانی مدت میں لکھی گئی -سیاسی تنظیم اور اس سے متعلق امور پر مشتمل ہے، جس کی وجہ سے کوتلیہ چانکیا کو ہندوستان کا بابائے فن حکمرانی کہا جاتا ہے۔[3]

اسی طرح بائبل کے ابتدائی پانچ ابواب پر مشتمل تورات اور اس کی ذیلی دو اہم کتب یعنی نبیim (Nevi im) اور

* لیکچرر، گورنمنٹ پولی ٹیکنیک انسٹیٹیوٹ، سردار گڑھی، پشاور

** پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور

کتبییم (Ketuvim) سلطانی احکام سے متعلق مشنا اور جمارا کے لئے مواد فراہم کرتی ہے جو ۴۰۰ اور ۵۰۰ صدی عیسوی کے درمیانی مدت میں تالمود کی شکل میں سامنے آئی ہے۔[4]

حکمرانی اور طرزِ حکمرانی کے حوالے سے قرآن کریم کے نصوص شفاف اور قطعی الدلالت ہیں جو کسی ایسی قوت کے وجود کا تقاضا کرتی ہیں جو سماج سے شر کو مٹائیں اور خیر کو فروغ دیں[5] یا کوئی ایسی خلافت جو عدل کو قائم کرے، امن کو یقینی بنائے اور دہشت اور خوف کا ازالہ کرے۔[6]

قرآن کریم کے نصوص کے علاوہ احادیث نبویہ ریاستی طریقہ کار، حق انتخاب اور حکومتی ادارہ سازی کے لئے مواد فراہم کرتی ہیں۔ چنانچہ کتبِ احادیث میں ابواب السیر، ابواب الامارۃ، ابواب الاحکام اور اس کے مترادف ابواب ایسی احادیث بر آمد کرتی ہیں جن کا تعلق حکمرانی کے اصول سے ہے۔ گو کہ دوسری صدی ہجری سے پہلے سلطانی ادب کی نپی تلی اصطلاح موجود تو نہیں تھی تاہم وہ مفہوم بدرجہ اتم موجود تھا جس پر یہ اصطلاح دلالت کرتی ہے۔[7]

سلطانی ادب کی تعریف یوں کی گئی ہے: "سلطانی یا سیاستِ شرعیہ کے احکام کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جو نظم حکومت، اسکے اصول، حاکم کی بالادستی اور ہر فریق کے حقوق و فرائض سے متعلق ہوں۔ قانونی اصطلاح میں اس قسم کے احکام احکام دستوریہ کہلاتے ہیں"۔[8]

مندرجہ بالا تعریف اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اسلام کے سلطانی ادب یا اس کے مترادف کسی بھی ایسی اصطلاح جو اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہو، تب شرعی دائرے میں داخل متصور ہوگی جب وہ کسی بھی پہلو سے شرعی نصوص کے ساتھ متصادم نہ ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطانی ادب سے متعلق متقدمین اور متاخرین فقہانے بہت ہی قابل قدر مواد چھوڑا ہے لیکن ان میں کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے بلاشبہ اس شعبہ کے متعلق خصوصی کام کیا ہے اور وہ اپنے زمانہ کے حکمرانوں کے حالات اور سیاسیات سے بخوبی طور پر واقف تھے۔ اس لئے یہاں پر چند ان شخصیات اور ان کی تصانیف کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جو اس شعبہ (سلطانی ادب) سے متعلق ہیں۔

اس ضمن میں سرفہرست یعقوب بن ابراہیمؒ (م ۱۸۲ھ) المعروف بہ قاضی ابو یوسف کا نام آتا ہے جنہوں نے کتاب الخراج لکھ کر سلطانی ادب کی داغ بیل ڈالی۔ کتاب الخراج دراصل ایک مراسلہ (Epistle) ہے جو امام ابو یوسفؒ نے عباسی خلیفہ ہارون الرشید (م ۱۹۳ھ) کو لکھا ہے یہ مراسلہ اس لحاظ سے اہم اور قابلِ قدر ہے کہ اس میں پہلی بار انتہائی شرح وبسط کے ساتھ اسلام کے اصولِ حکمرانی، تنظیم بیت المال، محاصل کی وصولی اور تقسیم، ضرائب کی نوعیت و تحدید اور اس قسم کے دیگر امور سے بحث کی گئی ہے۔ یہ وہ پہلی کتاب ہے جو اسلامی ریاست کے اندر غیر مسلموں کے حقوق اور ان پر ناجائز ضرائب کے متعلق تفصیل سے بتاتی ہے۔ کتاب الخراج کے چیدہ چیدہ موضوعات مندرجہ ذیل ہیں:

بے لاگ عدل

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بے لاگ عدل اور تمام نظریات وعقائد سے بالاتر، دوررس انصاف خلیفہ کے فرائض میں شامل ہے۔ چنانچہ آپؒ لکھتے ہیں: "اور یہ کہ اپنے رعایا اور عوام کے درمیان دنیاوی معاملات میں برابری رکھو، چاہے وہ رشتہ دار یا دور نا آشنا آدمی کیوں نہ ہو۔ اور اس بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ مت کرنا"[9] "اور یہ کہ اگر وہ ظلم وناانصافی سے کام لے گا تو اس کی حکومت بھی گر جائے گی"۔[10] لہٰذا عوام پر ہر قسم کے ظلم سے اجتناب کرو۔

اصلاحی تنقید

اس میں انہوں نے عوام کو یہ ترغیب بھی دی ہے کہ وہ سربراہ کی نگرانی کریں اور اس کے اعمال پر اس کو مثبت تنقید کا نشانہ بنائیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں وہ سیدنا عمر فاروقؓ کے قول سے استدلال کرتے ہیں: "ان میں کوئی بھلائی نہیں ہو گی اگر وہ ہم پر تنقید نہ کریں اور ہمارے اندر بھی کوئی بھلائی نہیں ہو گی اگر ہم ان کی جائز (مثبت) تنقید کو برداشت نہ کریں"۔[11]

اس میں درحقیقت وہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید کو بھی یہی سمجھانا چاہتے ہیں کہ تنقید کرنا عوام کا حق ہے اور یہ کہ ان کی زبانوں پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔

سربراہ کا ذاتی کردار

اس کے بارے میں امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ "سربراہ کو بردبار اور نرم طبیعت والا ہونا چاہیئے کیونکہ اس کی نرمی اللہ کو بہت محبوب اور پسندیدہ ہے۔ جبکہ عوام کے ساتھ سخت رویہ سے پیش آنے والا سربراہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض ہوتا ہے"۔[12]

اس کتاب میں انہوں نے اس بات کو بھی ذکر کیا ہے کہ سربراہ ریاست کے اعمال کے اثرات عوام پر لازماً پڑتے ہیں لہٰذا اگر وہ کج رو ہو گا تو اس کی رعایا اور عوام بھی کج رو رہیں گے اور اگر وہ بدعنوان ہو گا تو اس کی رعایا میں بھی بدعنوانی پیدا ہو گی اور یوں ملک میں بدامنی اور فساد برپا ہو گا۔ لہٰذا ان چیزوں سے سربراہ کو پرہیز کرنا چاہیئے۔[13]

اختیارات سے عدم تجاوز

اس کے ساتھ امام ابویوسفؒ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس کو بے لگام اختیارات حاصل نہیں ہیں بلکہ اس کے اختیارات عوامی فلاح و بہبود کے ساتھ مشروط ہیں۔ چنانچہ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ عوامی معاملات میں حکمران کے فیصلہ کرنے کا اختیار عوام کی فلاح و بہبود کے ساتھ مشروط ہیں: "التصرف على الرعية منوط بالمصلحة" یعنی "رعایا پر تصرف کے اختیارات عوام کی مصلحت کے ساتھ محدود ہے"۔[14] کسی نے یوں کہا: "اگر کوئی عمل عوامی بہبود کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے تو اسی صورت میں اس کو قبول کیا جاسکتا ہے، ورنہ اس کا کوئی قانونی جواز نہیں"۔[15]

ریاستی دستور

اس سلسلے میں امام ابویوسفؒ نے سربراہ کو قانون سازی کے متعلق بھی رہنمائی دی ہے۔ چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں: "سربراہِ ریاست پر لازم ہے کہ وہ خلافِ شریعت کوئی قانون اور دستور نہیں بنائے گا اور نہ ہی قرآن و سنت سے متصادم کوئی عمل کرے گا"۔[16]

فروغِ خیر وانسدادِ شر

اس سلسلے میں انہوں نے حکومت کے خلاف شرعی دائرہ کار میں احتجاج کی راہ بھی ہموار کی ہے۔ اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے: "ان الناس اذا رأوا المنكر فلم يغيروه أوشك ان يعمّهم الله بعقابه" یعنی "بے شک جب لوگ منکر (خلاف شرع) کو دیکھیں اور وہ اس کو تبدیل نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عمومی عذاب نازل کردے"۔[17]

قاضی ابو یوسفؒ کے بعد ان کے ہم مکتب محمد بن حسن شیبانیؒ (م ۱۹۸ھ) نے السیر الکبیر مرتب کی۔ السیر الکبیر در حقیقت قانون بین المالک (International Law) کے متعلق لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں امام محمدؒ نے حکومت کے دائرہ کار، اس کی اطاعت کی حدود، قانون سازی میں حکومت کے اختیارات، اس کے انعقاد کے طریقے، ملک میں شورش برپا کرنے والوں کے خلاف حکومت کے اقدامات کا طریقہ کار، عوام کو حکومت پر تنقید اور اس کے خلاف احتجاج کی شرعی حیثیت وغیرہ سے بحث کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے حکومت کے وجوب کی یہ دلیل پیش کی ہے کہ ایک حکمران کے متعین ہونے سے مسلمان ایک اجتماع اور ایک بات پر متفق ہو سکتے ہیں ورنہ بے سربراہ لوگ آپس میں جھگڑوں میں پڑ جاتے ہیں۔[18] حکومتوں کے جتنے بھی امور طے ہوتے ہیں ان سب کے لئے عوام کو اعتماد میں لینا اور ان سے اس سلسلے میں مشورہ کرنا چاہئے۔ اور جب ایک دفعہ معاملہ باہمی مشورے سے طے پا جائے تو اس کے بعد حاکم اس کی مخالفت سے گریز کرے۔[19]

حکمران کو ماورائے آئین اقدام سے بھی منع اور اس کی اطاعت کے حدود بیان کی گئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت جائز نہیں ہے اور خلاف شرع اور خلاف آئین و دستور میں حکمران کی بات کو نہیں مانا جائے گا اور اگر عوام کو یہ اندیشہ ہو کہ یہ سربراہ ہمیں غرق اور تباہ کرنا چاہتا ہے تو پھر ایسی اطاعت کی اللہ تعالیٰ نے مذمت بیان کی ہے: ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾[20] یعنی ﴿غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مار دی اور انہوں نے اس کی بات مان لی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے﴾۔

حکمران کو اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ عوام کو ان باتوں کا حکم کرے جن میں ان کا فائدہ ہو۔ اسی صورت میں عوام پر اس کا حکم بجالانا لازم ہوتا ہے۔ اگر حکومت خلافِ آئین اقدامات کرے تو ان کو آپس میں یکجان ہو کر حکومت کو اس استبدادی قانون کے خاتمے پر مجبور کریں اور اس سلسلے میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کرے کیونکہ بصورت دیگر حکمران مزید ظلم کرنے لگ جائیں گے۔[21]

حکومت ایسے ادارے بنائے جو مملکت کے حالات معلوم کرے کہ اگر ملک میں ایسا گروہ یا ایسے لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں جو ملک میں شورش اور بدامنی برپا کر سکتے ہیں تو ان سے حکومت کو مطلع کریں تاکہ شروع ہی میں ان کے خلاف تادیبی کاروائی کی جاسکے۔[22]

حکومت کو چاہیئے کہ وہ ذورائے اور صاحب بصیرت لوگوں سے حکومتی معاملات میں مشورہ کرے تاکہ ملکی حالات صحیح سمت میں روبہ ترقی ہو۔[23]

السیر الکبیر میں بین الاقوامی و جنگی معاہدات، جنگ بندی کے اصول، اموال و اسیرانِ جنگ سے متعلق زریں اصول کا بیان ہے۔ یہ اصول یورپ کے ماہرِ قانون گوئیٹس کے ان قواعد کی پیشرو ہیں جو چوٹی کے یورپی ماہرین سیاسیات میں گنے جاتے ہیں۔

سلطانی ادب کے ضمن میں عبداللہ بن المقفعؒ (م ۱۴۲ھ) کی کتاب رسالۃ الصحابہ بھی ایک ابتدائی کاوش ہے جو کہ دراصل ایک مراسلہ ہے۔ اسے ابن مقفعؒ نے عباسی خلیفہ منصور کو بھیجا تھا جس میں ان کے ذاتی تجربات اور خلیفہ کو کی گئی وصیتوں کا ذکر ہے۔

اسی طرح ابن المقفع کی ایک دوسری کتاب "الادب الکبیر" بھی ہے جسے مصنف نے دو مبحثوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی مبحث سربراہِ ریاست اور اس کی مصاحبیت سے متعلق ہے۔ اس مبحث میں دو ابواب ہیں۔ پہلا باب آداب سلطانی سے متعلق ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سربراہ ریاست کو کن صفات کا حامل ہونا چاہیئے وغیرہ۔ جبکہ دوسرا باب ان لوگوں سے متعلق ہے جو سربراہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ مصنفِ کتاب کے نزدیک سربراہ مملکت تین قسم کے ہوتے ہیں: ۱۔ ملک دین ۲۔ ملک حزم ۳۔ ملک ھویٰ

اوّل الذکر سے وہ یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ رعایا (عوام) کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے اور جب رعایا اس کی اطاعت کرتی ہے تو وہ ان سے خوش ہوتا ہے اور جب کبھی اختلاف رائے پیدا ہو جائے اور لوگ اس پر تنقید کریں تو وہ اس تنقید کو بخوشی برداشت اور اپنی غلطی کی اصلاح کی کوشش بھی کرنے لگتا ہے۔ جبکہ ثانی الذکر سے مراد ایسا سربراہ ہوتا ہے کہ جو حکومت کے معاملات کو تو اچھے طریقے سے چلاتا ہے لیکن وہ تنقید کو برداشت نہیں کر سکتا لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اور ثالث الذکر ایسا سربراہ ہوتا ہے کہ جو محض لہو ولعب اور خواہشات نفسانی کی تسکین میں وقت گزارتا ہے اور لوگوں کو صدیوں کے لئے ہلاکت وتباہی میں ڈال دیتا ہے۔[24]

جب انسان کو ابتدا میں حکومت ملتی ہے تو اس کو حکومت بغیر رائے اور بغیر مشیروں کے چلتی نظر آتی ہے۔ اس لئے ابن المقفع سربراہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسی چیزیں اسے دھوکہ میں نہ ڈال دیں۔ ایسی بے توجہی سے معاملات بگاڑ کی طرف جانے لگتے ہیں اور ابتداءً حکمران کا جو رعب ہوتا ہے وہ آہستہ آہستہ تساہل برتنے سے ختم ہونے لگتا ہے۔[25]

سربراہ کو ہمیشہ خاموش یا پھر لوگوں کے ساتھ زیادہ گھلنا ملنا نہیں چاہئے کیونکہ یہ قلت عقل کی دلیل ہوتی ہے اور اس کے رعب پر اثر انداز ہوتی ہے۔ نیز اسے زیادہ غضبناکی، جھوٹ اور کنجوسی جیسے عیوب سے بھی دامن بچانا چاہئے۔[26]

الادب الصغیر بھی ابن المقفعؒ کی بہت اہم کتاب ہے جو اگرچہ بنیادی طور پر اجتماعی اخلاقیات سے متعلق لکھی گئی ہے جس میں مصنف نے علم کی ترغیب دی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں انہوں نے ملوک اور ولاۃ کی سیاست سے متعلق بھی کلام کیا ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں: "احق الناس بالسلطان أهل المعرفة اي سياسة الملك"[27] یعنی "لوگوں میں حکمرانی کا زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو ملک کے سیاست سے باخبر ہو یعنی اصول جہانبانی جانتا ہو"۔

پانچویں صدی ہجری کے امام ماوردیؒ (م450ھ) کی کتاب "الاحکام السلطانیہ" سلطانی ادب میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ امام ماوردیؒ نے ویسے تو مختلف علوم پر کتابیں لکھی ہیں لیکن سیاسیات میں ان کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ کسی اور میدان میں نہیں مل سکی۔ آپؒ کے زمانے میں بکثرت سیاسی اضطرابات پیش آتے رہے ہیں اس لئے اس میدان میں آپؒ نے شرعی احکام کے نفاذ کے لئے خلیفہ کے حکم پر الأحكام السطانية والولايات الدينية تالیف کی اور اس کا اقرار انہوں نے اپنے ان الفاظ میں کیا ہے: "جب سلطانی احکام کے معرفت کے زیادہ حقدار سربراہِ ریاست ہے تو میں نے اس کے لئے ایک خاص کتاب لکھی ہے جس میں، میں نے اس شخص کے حکم کی بجا آوری کی ہے جس کی اطاعت لازم ہے"۔[28]

اس کتاب میں ان احکام شرعیہ کا کافی بڑا مجموعہ ہے جن کا تعلق عدالتی معاملات، قانون سازی، سیاسی تنقیدات واحتجاجات سے ہے۔ کتاب ہذا بیس ابواب میں منقسم ہے۔

ماوردی کی ایک دوسری کتاب تسهيل النظر وتعجيل الظفر في أخلاق الملك وسياسة الملك بھی نہایت شہرت کی حامل ہے جس میں دو ابواب اور چھبیس فصول ہیں۔ پہلا باب ان اخلاق وصفات کے بارے میں ہے جن سے کسی سربراہ کو متصف ہونا چاہئے۔ اس میں نظم اور نثر دونوں اسالیب میں سربراہ کو کج روی سے روکنے اور رعایا سے نرم خوئی سے پیش آنے کی ترغیب میں مواعظ و نصائح بھی ذکر کی گئی ہیں۔ اس میں مصنفؒ نے عربی ثقافت کے علاوہ دیگر متعدد (یعنی فرانسیسی اور رومی) ثقافتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ دوسرا

باب سربراہ کی سیاست سے متعلق ہے۔ جن کی بنیاد مندرجہ ذیل چار قواعد پر رکھی گئی ہے:

۱۔ عمارۃ البلدان، الزراعۃ واعمار المدن: یعنی ملک کی تعمیر، زراعت کو ترقی دینا اور شہروں کا نظم و نسق سنبھالنا ہے۔

۲۔ حراستہ الرعیۃ: عوام اور رعایا کی حفاظت اور ان کو امن، عدل اور اجتماعی معاشرت کی فراہمی اور ظلم و ستم سے اجتناب۔

۳۔ تدبیر الجند، السیاسۃ الدفاعیۃ: فوجوں کو تشکیل اور سرحدات کی حفاظت۔

۴۔ تدبیر الاموال۔ السیاسۃ المالیۃ: ملک کے مالی و اقتصادی معاملات کا انتظام۔[29]

اس کے علاوہ آپؒ کی دو مزید کتابیں ہیں جو قانون الوزارۃ اور نصیحۃ الملوک کے نام سے معروف ہیں۔ اول الذکر کتاب میں امام ماوردیؒ (م ۴۵۰ھ) نے وزیر بننے کے اصول و قواعد اور اس کے طریقوں سے بحث، جب کہ ثانی الذکر کتاب میں سربراہ کو نصائح کے ذریعے سیدھے راستے پر چلنے کی نصیحت کی ہے۔

اسی صدی میں اسی نام سے دوسری کتاب قاضی ابو یعلیٰ (م 458ھ) کی ہے جو ۲۱ فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی ترتیب تقریباً امام ماوردیؒ کی کتاب کی طرح ہے۔ کتاب کے مطابق حکمران طبقہ میں چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱: قریشی ہو۔ ۲: اس میں قاضی بننے کی اہلیت کے شرائط موجود ہوں۔ جو کہ آزادی، بلوغ، عقلمندی، علم و عدالت ہیں۔

۳: اس کو جنگی مہمات کا تجربہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں تنفیذِ حدود کی جرأت ہو۔ اس بارے میں اس کے دل میں کسی کے لئے نرمی کا جذبہ نہ ہو۔ ۴: دین اور علم کے اعتبار سے سب سے افضل ہو۔[30] البتہ غیر اختیاری حالات میں وہ اس کو بھی جائز حکمران تسلیم کرتے ہیں جو تسلط اور تلوار کے زور پر حکومت کرے۔ یہ جواز قانونِ مجبوری کے تحت ہے۔[31]

آپؒ کے نزدیک امامت (حکمرانی) کا انعقاد دو طریقوں سے جائز ہے:

أ- اہل حل و عقد کے اختیار کے ساتھ، جب وہ کسی کو منتخب کریں۔ ب- بطریقہ نامزدگی۔ یعنی کہ ماقبل حکمران مابعد کو نامزد کرے۔

اسی طرح آپؒ حکمران کے دس فرائض کا ذکر فرماتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- دین کی حفاظت، لیکن ان اصول پر جن پر سلف صالحین نے کی ہے۔ ۲- ظالم سے مظلوم کا حق دلوانا یعنی نظام عدل کا قیام۔

۳- ملک کے دفاع کا مکمل انتظام تاکہ لوگ اطمینان کے ساتھ کاروبار زندگی کر سکیں۔

۴- حدود قائم کرتا ہو تاکہ لوگوں کے جان و مال کا تحفظ ہو جائے۔ ۵- دشمنانِ اسلام سے جہاد کرے۔

۶- فیئ، زکوٰۃ اور صدقات جیسے محاصل کی وصولیابی کر سکے۔ ۷- بیت المال سے مستحقوں کو بروقت ادائیگی کرے۔

۸- ملک کے عوام کے حالات سے بنفس نفیس خبر داری حاصل کرے۔[32]

لہٰذا جب حکمران ان فرائض کی بجا آوری میں مستعدی دکھائے گا تو پھر عوام پر اس کے دو حقوق لازم ہوتے ہیں:

۱- پہلا حق یہ ہے کہ جائز امور میں اس کی اطاعت کی جائے۔

۲- ملکی اور غیر ملکی معاملات اور امور مملکت چلانے میں حکمران کی نصرت اور تعاون کریں کیونکہ جب تک عوام کی طرف سے اطاعت اور تعاون کی فضا قائم نہیں ہوگی ملکی حالات صحیح سمت میں نہیں رہ سکتے۔ لیکن اگر اس کی عدالت یا جسمانی کیفیات میں ایسا نقص آتا ہے جس سے امور مملکت کی بجا آوری میں خلل پیدا ہوتا ہو پھر اس کو معزول کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ماوردی ایک دیوان اور رجسٹر کا بھی

ذکر کرتے ہیں جس میں حقوقِ سلطنت، اموال، اعمال، لشکروں اور سرکاری کارندوں وغیرہ کی تمام تر تفصیلات درج ہوں۔[33]

اسلامی دنیا میں ابن خلدونؒ (م۸۰۸ھ) کسی تعارف کے محتاج نہیں ہے۔نویں صدی میں ان کی مرتب کردہ کتاب "العبر دیوان المبتد والخبر فی تاریخ العرب والعجم والبربر" اس لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے کہ اس کے مقدمہ میں ریاستی امور سے متعلق شرح وبسط سے بحث کی گئی ہے۔

ابن خلدونؒ حکومت کے قیام کی ضرورت پر زور دیتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ انسان میں حیوانی فطرت موجود ہے جس میں جھگڑے اور تشدد غالب ہے اور یہ فطرت انسان کو دوسرے سے جنگ پر آمادہ کرتی ہے۔ لہٰذا اس کشت وخون کے سدباب کے لئے نظام عدل کی ضرورت ہوتی ہے۔اس وجہ سے آپؒ کا دعویٰ ہے کہ حکمران کا حکم ماننے کا جذبہ بھی فطرت انسانی میں داخل ہے۔[34]

حکومت کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ ایسی حکومت ہونی چاہیئے جس میں رعایا کے تحفظ کی قوت بھی ہو اور وہ انہیں یہ یقین بھی دلا سکے کہ ان کی محنت کا معاوضہ انہیں ضرور ملے گا۔ حکومت کو عادل بھی ہونا چاہیئے تاکہ عوام کی حوصلہ افزائی ہو اور حکومت کا فیاض وسخی ہونا بھی ضروری ہے تاکہ لین دین اور تجارت کو فروغ حاصل ہو۔ ابن خلدونؒ وجوبِ خلافت سے بحث کرتے ہیں اور اس بنا پر آپؒ کا دعویٰ ہے کہ خلافت عقلاً نہیں، بلکہ شرعاً واجب ہے۔ آپ ان لوگوں سے اختلاف کرتے ہیں جو خلافت کو مقصود بالذات نہیں سمجھتے، بلکہ اسے قیام عدل اور احکام شرعی کے نفاذ کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ آپکے خیال میں خلافت مقصود بالذات ہے۔[35]

علامہ ابن خلدونؒ انتخابِ خلیفہ (سربراہ) کے طریقہ پر بحث کرتے ہیں اور اس میں ہر ایک کو رائے دینے کا حق نہیں دیتے بلکہ آپؒ کے مطابق اس میں صرف ارباب حل وعقد ہی حصہ لے سکتے ہیں۔اسی طرح وہ خلیفہ کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا بھی حق دیتے ہیں اور اس کے لئے ابو بکر صدیقؓ کا عمرؓ کو اور سیدنا عمرؓ کا چھ صحابہؓ کو جانشین کے طور پر مقرر کرنے کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مصلحت وقت کا تقاضا ہو کہ بیٹے ہی کو جانشین بنایا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ بصورت دیگر ملت کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔اس کے لئے وہ حضرت امیر معاویہؓ کا اپنے بیٹے یزید کو جانشین مقرر کرنے کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔[36]

حکمران کے اوصاف سے بھی آپؒ نے بحث کی ہے۔ آپؒ کے نزدیک چار صفات کا ہونا حکمران میں ضروری ہے:

۱۔علم ۲۔عدالت ۳۔کفایت ۴۔اعضاو حواس کی سلامتی

آپؒ علم کا معیار اجتہاد واستنباط قرار دیتے ہیں اور اس سے کم پر راضی نہیں ہوتے۔جب کہ عدالت سے مراد حکمران کی عملی اور نظری زندگی کا اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا ہے۔اور کفایت سے مراد ایسی مادی اور روحانی صفت ہے جو عوام الناس کو اس کی عزت کرنے پر آمادہ کرے۔اس لئے سربراہ کا دلیر ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔ حکمران کے فرائض میں تین چیزوں کو آپؒ نے زیادہ اہمیت دی ہے: ۱۔حمایت ۲۔اقامتِ حدود ۳۔تدبیرِ مصالح

اسی طرح آپؒ کے نزدیک سربراہ مملکت کا حواس اور اعضا کے لحاظ سے سلامت ہونا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ ان نقائص کی وجہ سے وہ فرائضِ منصبی سے صحیح طریقہ پر عہدہ برآں نہیں ہو سکتا۔[37] آپؒ نے اس سے بھی بحث کی ہے کہ خلیفہ کا قریش

میں سے ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ اور اس کو شرطِ کفایت قرار دیا ہے۔[38] آپؒ بیک وقت دو یا زیادہ خلفا کے وجود کو جائز قرار دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر سلطنت وسیع ہو اور حکومت کمزور ہو تو قیامِ امن ناممکن ہو گا اس لئے ہر علاقہ اپنی مدافعت کرنے اور نظام قائم رکھنے کا ذمہ دار ہوتا ہے اس کے لئے وہ خلفائے عباسیہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔[39]

آپؒ اس سے بھی بحث کرتے ہیں کہ حکومت کو بیرونی خطرات سے نمٹنے کے لئے فوج رکھنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور فوج کے ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے حکومت کو عوام پر ٹیکس عائد کرنے پڑتے ہیں۔[40]

امام تقی الدین ابن تیمیہؒ (م728ھ) کو جہاں فقہی علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا وہیں اپنے پیش رو ائمہ کی طرح سلطانی اور ریاستی امور سے متعلق تحقیقی مواد کی تیاری اور نصوص شرعیہ کے ساتھ ان کے عمل انطباق پر بھی عبور رکھتے تھے۔ آپ کی مشہور زمانہ فتاویٰ کی متعدد اجزاء ریاستی امور سے متعلق ہیں تاہم اس ضمن میں آپ کی کتاب "السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ" کو اس لحاظ سے اہمیت حاصل ہے کہ اس میں ابن تیمیہؒ نے ایک موضوع کے طور پر حاصل سیر بحث کی ہے اور اصولِ ریاست، امارت، سلطنت اور اصولِ جہانبانی خوبصورت انداز میں بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب ساتھ فصلوں پر مشتمل ہے۔

مصنفؒ نے اس کی وجہ تالیف یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں پر حکمرانوں کو نصیحت کرنا لازم اور واجب کیا ہے۔ اس کو مد نظر رکھ کر یہ رسالہ کو لکھا گیا ہے جس کی بنیاد اس آیت پر رکھی گئی ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا﴾ یعنی ﴿اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو﴾۔[41]

امام ابن تیمیہؒ نے اس کو واضح کیا ہے کہ ہر شخص حکمرانی کا اہل نہیں ہے بلکہ مسلمانوں میں سے وہ شخص اس کا اہل ہے جو ان میں سب سے زیادہ باصلاحیت ہو۔ لہٰذا جو لوگ خود غرض ہوں یا اس کا مطالبہ کرتے ہوں اور وہ اس کے اہل نہ ہو تو ایسے لوگوں کو حکومت کی بھاگ دوڑ نہیں دینی چاہئے۔[42] اس کتاب میں آپؒ نے سلطانی اموال و محاصل سے بحث بھی کی ہے جو فئی، غنیمت، زکوٰۃ، صدقات اور ٹیکس وغیرہ کی مد میں وصول ہوتے ہیں۔[43]

آپؒ نے اطاعت کے حدود کا تعیین بھی کیا ہے اور یہ کہ گناہ کے کام میں حکمران کی اطاعت جائز نہیں ہے بلکہ آپؒ نے ایسے حکمران پر تنقید کی ہے اور عوام الناس کو بھی یہ بتلایا ہے کہ اس پر تنقید کرے کیونکہ غلط کاموں میں بھی حکمران کی اطاعت کی جائے تو پھر مملکت کا نظام بگڑ جائے گا۔ اس کے لئے اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں: ﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ﴾[44] یعنی ﴿اور اگر حق ان کی خواہشوں پر چلے تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں﴾۔

قرآنی نصوص - جیسا سے کہ پہلے کہا گیا - ایک مستحکم ریاست کے قیام کا تقاضا کرتی ہے۔ انہی کی بنیاد پر مدینہ منورہ کی پہلی اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی گئی جو نبی کریم ﷺ کی بیس سالہ اور خلفائے راشدینؓ کے تیس سالہ دور میں اسی اساس پر قائم رہی۔ گو کہ اس زمانے میں سلطانی اور خلافتی امور سے متعلق باضابطہ ادب کا وجود تو نہیں تھا تاہم اس عہد میں وہ مفہوم بدرجہ اتم موجود رہا جس پر دوسری صدی ہجری اور زمانہ مابعد میں تشکیل شدہ سلطانی ادب دلالت کرتا ہے۔

آنے ولی صدیوں میں اسلامی ریاست کی توسیع و پھیلاؤ کے نتیجے میں سلطانی ادب ارتقائی مراحل میں داخل ہوئی اور زمانہ

مابعد کے ائمہ کرامؒ اور سلطانی ادب کی تشکیل کنندگان نے جدید اور عصری مناہج کی روشنی میں سلطانی ادب کو آگے بڑھایا۔ متأخرین میں سے جن لوگوں نے سلطانی ادب کی تدوین وترتیب میں نمایاں کردار ادا کیا ان ابن شحنہؒ، موفق الدین بغدادیؒ، شاہ ولی اللہؒ، عبد الرحمن تاج کے نام قابل ذکر ہیں۔

نتائج

۱۔ سماجی اور معاشرتی اصلاح کے لئے جو طاقت درکار ہو اس کے حجم اور استعمال کو منہج اعتدال پر رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔

۲۔ اصلاح احوال کے لئے طاقت کو یوں استعمال نہ کیا جائے جس سے کم ضرر کو دفع کرنے کے لئے زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑے۔

۳۔ حکمرانی اور طرز حکمرانی کے حوالے سے قرآن کریم کے متعدد نصوص موجود ہیں۔

۴۔ قرآن کریم نے حکومت کی کوئی خاص شکل متعین نہیں کی ہے بلکہ ہر وہ صورت جو شر کو مٹائے اور خیر کو فروغ دے وہ اسلامی حکومت کہلائے گی۔

۵۔ قرآن کریم اور سیرت طیبہ کے عمومی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمران عوام کے سامنے جوابدہ ہے۔

۶۔ اس حوالے سے شریعت اسلام نے حکمران اور رعایا کے حقوق اور فرائض کو متعین کیا ہے۔

۷۔ شریعت اسلام نے عادل حکومت کا قیام مسلمانوں کی اولین ذمہ داری قرار دی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] Marry Pat Fisher. Living Religions. New Jersy, Pearson Prentice Hall, 2005, p.97

[2] منو. منودھرم شاستر. مترجم: ارشد رازی, ط2007ء, نگارشات پبلشرز، لاہور, ص۹

[3] آچاریہ, کوتلیہ چانکیا. ارتھ شاستر. مترجم: محمد اسماعیل ذبیح. ط: ۱۹۹۱ء، ٹیکساس پرنٹرز، کراچی، ص۷۱ ومابعد

[4] Michael D. Coogan, Ed. World Religions: The Illustrated Guide. London: Duncan Baid publishers,2003, p.31

[5] القرآن الکریم، سورۃ ۱۴:۲۲

[6] القرآن الکریم، سورۃ ۵۵:۴۲

[7] مجلۃ البحوث الاسلامیہ. ط: ۱۹۸۰، ہیئۃ کبار العلما، شمارہ نمبر: ۷۲، ص۵۲۱

[8] ایضاً

[9] ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم. الخراج. ط: مکتبہ الازہریہ للتراث، ص۱۴

[10] الخراج, ص۲۲

[11] ایضاً

[12] ایضاً

[13] ایضاً

[14] زرقاء, شیخ احمد بن شیخ محمد. شرح القواعد الفقہیہ. تحقیق: عبد الستار ابو غدۃ. ط:۱۹۸۹ء، دار القلم، دمشق، ص309-310

[15] ابن نجیم، زین العابدین. الاشباہ والنظائر. تحقیق: عبد الکریم الفضیلی. ط: ۲۰۰۳ء، المکتبۃ العصریۃ صیدا بیروت، ۱/۶۰۱

[16] الخراج, ۱۳

[17] ابن حنبل، مسند احمد، ۱۷۸:۱، رقم:۱

[18] سرخسی, محمد بن احمد بن سھل. شرح السیر الکبیر. ط: ۱۹۷۱، الشرکۃ الشرقیہ، 60/1

[19] ایضاً

[20] القرآن الکریم، سورۃ ۴۳:۵۴

[21] شرح السیر الکبیر، 170/1

[22] ایضاً, 50/1

[23] ایضاً, 50/1

[24] ابن المقفع, عبد اللہ. الادب الصغیر. ط: دار صادر, بیروت، ص۳۷

[25] ایضاً

[26] ایضاً, ص۵۷

[27] ایضاً, ص۵۷

[28] الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب. الاحکام السلطانیہ. ط: دار الحدیث، قاہرہ، ص۳

[29] الماوردی، الاحکام السطانیۃ: ۳

[30] قاضی ابو یعلیٰ، محمد بن الحسین بن خلف، الاحکام السلطانیہ، ط2: ۲۰۰۰ء: دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص20

[31] ایضاً

[32] ایضاً, ص۲۰

[33] ایضاً, ص۲۲

[34] ابن خلدون، عبد الرحمٰن. مقدمہ. ط: نفیس اکیڈمی کراچی، پاکستان، ص۱۷۱

[35] ابن خلدون، مقدمہ، ص۳۵۴

[36] ابن خلدون، مقدمہ، ص۳۱۸

[37] ابن خلدون، مقدمہ، ص۳۱۹

[38] ابن خلدون، مقدمہ، ص۳۲۳

[39] ابن خلدون، مقدمہ، ص۳۲۳

[40] ابن خلدون، مقدمہ، ص۳۲۳

[41] القرآن الکریم: ۴:۸۵

---

[42]ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم. السیاسۃ الشرعیہ. ط1: 1418ھ, وزارۃ الشؤون والأوقاف, السعودیۃ

[43]ایضاً, ص۲۸

[44]القرآن الکریم، سورۃ۱۷:۲۳